ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.3 (2024)
(July to September)

نیئر مسعود کے افسانوں میں معذور کرداروں کی پیش کش: تنقیدی جائزہ

Death and Social Suffering in Nayyer Masood's Short Stories

محمد امجد

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

ڈاکٹر حمیرا اشفاق

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

Muhammad Amjad

Doctoral Candidate, Department of Urdu, NUML, Islambad

Dr. Humaria Ishfaq

Assistant Professor,Department of Urdu, International Islamic University, Islamabad

Abstract:

Based on the analysis of Nayer Masud's fiction, it is evident that his portrayal of disabled characters is not only a reflection of his creative prowess but also serves as a call to raise social awareness. These stories delve deep into the challenges and suffering faced by disabled individuals, eliciting empathy from the reader. By highlighting the insensitive treatment and societal apathy towards these characters, Nayer Masud prompts readers to reflect on their own attitudes. The narrative further emphasizes the role of government negligence and lack of responsibility, which exacerbates the suffering of disabled characters, making their plight more profound.Nayer Masud's works are not just accounts of personal anguish but also powerful commentaries on social injustice and indifference. Through his literary craftsmanship, he communicates that disability should not be viewed merely as a physical condition but as a societal and humanitarian issue that demands collective effort to address. His stories serve as a reminder that providing equal rights and opportunities to disabled individuals is a shared responsibility.

Keywords: Nayer Masud's fiction, creative prowess, narrative, raftsmanship, humanitarian issue, governmental disregard

افسانے میں معذور کرداروں کی پیش کش معذوری کے تئیں سماجی رویوں کی عکاسی اور تشکیل کرتی ہے۔ ایک ایسی ثقافت میں جو قابل جسمانی اور پیداواری صلاحیت کو اہمیت دیتی ہے، معذور افراد کو اکثر پسماندہ اور خارج کر دیا جاتا ہے۔

"گنجفہ" میں نیئر مسعود نے لاڈلا کی المناک کہانی کو پیش کیا ہے، ایک خود کفیل آدمی جو بیماری کی وجہ سے معذور ہو جاتا ہے، ایک عام معاشرتی مسئلے کو اجاگر کرتا ہے۔ اپنی معذوری سے پہلے وہ عزت کے ساتھ روزی کماتا تھا، اپنی اور اپنے گھر والوں کی کفالت کرتا تھا۔ اس کی معذوری سے متعلق ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''پیر رہ گئے ہیں دکھیارے کے،'' انھوں نے کہا، ''تم تو اس کا منجن لایا کرتے تھے۔''

''منجن؟''

''ہاں۔ وہی لاڈلے کا بادشاہی منجن۔''

''لاڈلے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا، ''وہ ابھی زندہ ہے؟''

''مردے سے بدتر۔ دونوں ٹانگیں سوکھتی چلی جارہی ہیں۔''(۱)

جب لاڈلا معذور ہو جاتا ہے، تو اس کی بیٹی گھر کی کفالت کی ذمہ داری اٹھاتی ہے، لڑکیوں کے لیے ملازمت کے محدود مواقع والے معاشرے میں خاندان کے اخراجات کو سنبھالنے کے لیے اسے سخت محنت کرنا پڑتی ہے، جو ان کی پہلے کی خوشحال زندگی کے بالکل برعکس ہے۔ جس کا اظہار لاڈلے کی زبانی یوں ہوتا ہے۔''میری ٹانگیں بے کار ہو گئیں اور اب پندرہ برس سے چکن کاڑھ کاڑھ کر وہی مجھ کو کھلا رہی ہے۔(۲)

لاڈلا کے کردار کے ذریعے، نیئر مسعود معاشرے میں معذور افراد کی جدوجہد کو اجاگر کرتے ہیں، جنہیں ریاست اور ان کی برادری نے نظرانداز کیا ہے۔ لاڈلا کی بیٹی کے کندھوں پر اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ہے، لیکن جب وہ یرقان سے مر جاتی ہے تو اس کے پاس بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھیک مانگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں بچا۔ اقتباس دیکھیے۔

''اس کو تلاش کرنے کی بہت کوشش بھی نہیں کی گئی اس لیے کہ زیادہ تر پڑوسیوں کو قریب قریب یقین تھا کہ وہ کسی دوسرے شہر چلا گیا ہے اور وہاں بھیگ مانگ رہا ہو گا۔''(۳)

نیئر مسعود کی کہانی میں اپنی بیٹی کی موت کے بعد لاڈلا کی بے بسی کی تصویر کشی کی گئی ہے، جس سے ایک ایسا شخص بھیک مانگنے پر مجبور ہو گیا جو کبھی عزت کے ساتھ کام کرتا تھا۔ یہ المناک تنزلی ریاست اور معاشرے دونوں پر تنقید کرتی ہے جس سے معذوروں اور کمزوروں کو نظر انداز کرنے کے تباہ کن نتائج ہو سکتے ہیں خاص طور پر معذوری اور نقصان کی صورت میں ایک دوسرے افسانے "رے خاندان کے آثار" میں نیئر مسعود نے بیماری سے مفلوج ایک بیوہ انجلینا رے کی کہانی بیان کی ہے، جس میں معاشرے کے معذوروں اور لاچاروں کو چھوڑنے کے رجحان کو اجاگر کیا گیا ہے۔ راوی، جس کا بچپن سے انجلینا رے کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ انجلینا کی معذوری کے بارے میں جاننے کے بعد اس سے ملاقات کیے بغیر راوی کا اچانک چلے جانا اس کی کمزور حالت میں اسے قبول کرنے میں ناکامی کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ اسے مفلوج اور بے بس دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتا۔

مزید برآں، راوی کا چھوڑنے کا فیصلہ بھی خود غرضی کی وجہ سے ہوتا ہے، کیونکہ اب وہ انجلینا کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں دیکھتا جب کہ وہ معذور ہے۔ یہ دوغلا رویہ، جس پر نیئر مسعود نے روشنی ڈالی ہے، انسانی رشتوں کی اتھلی نوعیت کو بے نقاب کرتا ہے، جہاں لوگ اکثر حقیقی روابط اور ہمدردی پر اپنے مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔ جب اسے انجلینا کی حالت کے بارے میں بتایا گیا تو وہ اسے بتائے بغیر غیر

متوقع طور پر چلا گیا۔ اس داستان میں نیئر مسعود نے راوی کے کردار کے ذریعے انسانوں کی دوہری فطرت کی تصویر کشی کی ہے، جس سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ لوگ کس طرح ایسے حالات سے بچتے ہیں جن سے انہیں کسی ذاتی فائدے کی امید نہیں ہوتی۔ نیئر مسعود کا کہانی کہنے کا انداز بنیادی طور پر بیانیہ ہے۔ انہوں نے لکھنؤ کی ثقافت اور تہذیب کے جوہر کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے اور اس معاشرے میں رائج سماجی و اقتصادی مسائل کو بھی واضح طور پر پیش کیا ہے۔ معاشرہ اور افراد تنہائی میں اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتے۔ انسانی شعور جتنا بلند اور بہتر ہوگا اتنا ہی پاکیزہ اور خوشبودار معاشرہ اس کی راہنمائی کرے گا۔ تاہم، مسائل سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ زندگی کے مراحل — بچپن، جوانی اور بڑھاپا — زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ زندگی کے اس تیسرے مرحلے کی عکاسی نیئر مسعود کی مختصر کہانی "مراسلہ" میں اچھی طرح سے کی گئی ہے۔ افسانے سے اقتباس دیکھیے۔

> ''مجھے اس طرف جانے کی ضرورت نہیں تھی لیکن اپنی والدہ کی وجہ سے مجبور ہو گیا برسوں پہلے وہ بڑھاپے کے سبب چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی تھی۔ پھر ان کی آنکھوں کی روشنی بھی قریب قریب جاتی رہی اور ذہن بھی ماؤف سا ہو گیا۔ معذوری کا زمانہ شروع ہونے کے بعد بھی ایک عرصے تک ہر روز مجھ کو وہ دن رات میں تین چار مرتبہ اپنے قریب بلا کر کپکپاتے ہاتھوں سے سر سے پیر ٹٹولتی تھیں۔''(۵)

اس کہانی میں بوڑھی ماں کے کردار میں جس محبت اور دیکھ بھال کو دکھایا گیا ہے وہ ماں کے لیے منفرد خصوصیات ہیں۔ ماں کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ اس کی بنیادی فکر ہمیشہ اپنے بچوں کی بھلائی ہوتی ہے، خواہ اس کے اپنے دکھ اور تکلیف کیوں نہ ہوں۔ یہاں تک کہ جب جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ مدد نہیں کر سکتی بلکہ اپنے بچے کی فلاح و بہبود کے بارے میں سوچ سکتی ہے۔ وہ اپنی اذیت برداشت کرتی ہے لیکن اپنے بچے کی موجودگی کو محسوس کرنے کے لیے اپنے کانپتے ہاتھوں کا استعمال کرتے ہوئے دن میں کئی بار اپنے بچے کو اپنے پاس بلاتی ہے۔ اس کا مقصد اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ اس کا بچہ بیمار یا پریشان نہ ہو۔ ایک موقع پر، جب ایک ڈاکٹر تجویز کرتا ہے کہ بوڑھی عورت اپنے بچے کی حالت کا بہتر اندازہ لگانے کے لیے اپنا فاصلہ برقرار رکھے، تو وہ فوراً اپنا بستر دروازے کے قریب لے جاتی ہے۔ اس عمل کو دیکھ کر، ڈاکٹر شدید شرمندگی محسوس کرتا ہے اور اپنے اس عمل پر بار بار معافی مانگتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

> ''ان کا بستر جو انہوں نے میرے والد کے مرنے کے بعد سے زمین پر بچھانا شروع کر دیا تھا ان کے ساتھ گھسٹا ہوا چلا آیا تھا اور دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بستر ہی ان کو کھینچتا ہوا دروازے کی طرف لیے جا رہا تھا۔''(۶)

مذکورہ اقتباس میں نیئر مسعود نے ماں کی گہری محبت کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ بیماری یا معذوری کی وجہ سے مکمل طور پر مفلوج ہونے کے باوجود، ماں، اپنے بیٹے کے لیے گہری فکرمندی سے، اسے نہ دیکھ کر اپنا بستر دروازے تک گھسیٹتی ہے، اس عمل سے ڈاکٹر شدید شرمندگی محسوس کرتا ہے اور اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس آج کے معاشرے کے تناظر میں اس معذور ماں کے کردار کا جائزہ لینے سے ایک زیادہ قابل رحم حالت کا پتہ چلتا ہے۔ نیئر مسعود کے افسانے ''شیشہ گھاٹ'' میں ایک واحد مقرر نے بیان کی ہے جو بولنے کی

صلاحیت سے محروم ہونے کے باوجود ہکلانے کے ساتھ جدوجہد کرتا ہے۔ یہ ہکلانا اسے اپنے آپ کو مکمل اظہار کرنے سے روکتا ہے، اور لوگ اکثر اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا پیار کرنے والا باپ، جو کبھی کبھی اسے اس کے ہکلانے پر ڈانٹتا ہے، اس کی بے بسی کے احساس میں حصہ ڈالتا ہے۔ راوی کا کردار مرکزی ہے، کیونکہ پوری کہانی اس کے تجربات کے گرد گھومتی ہے۔ اپنے خیالات کی سنجیدگی کے باوجود جب وہ بازار جیسی عوامی جگہوں پر بولتے ہیں تو اس کی ہنگامہ آرائی سنجیدگی سے لینے کی بجائے طنز کا باعث بن جاتی ہے۔ ایک اقتباس دیکھیے۔

> ''اسے یقین تھا اور مجھے بھی، کہ کچھ دن اس کے ساتھ آرام سے رہنے کے بعد میرا ہکلانا ختم ہو جائے گا۔ لیکن اس کو امید نہیں تھی، نہ مجھے، کہ گھر کے باہر لوگ میرا تماشا بنا لیں گے، جس طرح کسی پاگل کا تماشا بنا لیا جاتا ہے۔''(۷)

درج بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا کہ اگر راوی کے ہکلانے کا مذاق نہ اڑایا جاتا اور وہ بولنے کی مشق کرتا رہتا تو اس کے صحت یاب ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے۔ تاہم، معاشرے کے رویے نے اس کی حوصلہ شکنی کی، اور وہ خاموشی اختیار کر گیا، عوامی تضحیک پر تنہائی کو ترجیح دی۔ نیئر مسعود اس کردار کو معاشرے کی بے حسی کو اجاگر کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، یہ بتاتے ہیں کہ کس طرح تھوڑی سی ہمدردی اور سنجیدگی لوگوں کی زندگیوں پر مثبت اثر ڈال سکتی ہے۔ اس کے بجائے، غیر ذمہ دارانہ رویے، جیسے کہ تفریح کے لیے لطیفے بنانا، کے اہم نتائج ہوتے ہیں۔ راوی کی بدقسمتی میں سے ایک اس کے والد کا ترک کرنا ہے، اس خوف سے کہ اس کی دوسری بیوی اس کے ہکلانے پر برا ردعمل ظاہر کرے گی۔ اس بیانیے کے ذریعے، مسعود مواصلاتی مشکلات کے المیے کی عکاسی کرتے ہیں، اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس طرح خیالات کا اظہار کرنے میں ناکامی مایوسی اور تنہائی کے احساس کا باعث بنتی ہے۔

"مسکینوں کا احاطہ" میں مسعود نے ایک نابینا بوڑھی عورت کے المیے کی تصویر کشی کی ہے، جس میں انہیں اپنے کھوئے ہوئے نواسے کے انتظار میں لازوال درد کو ظاہر کیا گیا ہے۔ مُردوں کے برعکس، جو سکون سے ہیں، انتظار کرنے والے مسلسل عذاب کا سامنا کرتے ہیں۔ یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب راوی پندرہ سال کے بعد گھر لوٹتا ہے، اور اس کی نابینا دادی اسے اس کے قدموں سے پہچانتی ہیں، جو اس کی غیر متزلزل امید اور اس کی واپسی کی مسلسل توقع کی نشاندہی کرتی ہے۔ دادی کی توجہ ہمیشہ دروازے پر مرکوز رہتی تھی، جو ان کی گہری خواہش کی عکاسی کرتی تھی، اور صرف آواز سے راوی کی پہچان اس کی طاقت کا پتہ دیتی ہے جسے اکثر چھٹی حس کہا جاتا ہے۔ روای کی واپسی پر ایک اقتباس دیکھیے۔

> ''اندھی نانی؟ میں نے سوچا، پھر مجھے خیال آیا کہ میرے کان بج رہے ہیں، اور میں ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔ اندھی نانی واقعی بیٹھی چھالیہ کاٹ رہی تھیں۔ چٹائی بھی وہی ہی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی اور اس سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ انھوں نے میرے پیروں کی چاپ فوراً پہچان لی اور ڈیوڑھی کے اندرونی دروازے کی طرف منھ کر کے آواز لگائی''(۸)

گھر پہنچنے پر، روی کا استقبال اس کی نانی نے کیا اور اس کے والدین کو مخاطب کر کے رونے لگتی ہے۔ اس انکشاف نے راوی کو حیران کر دیا، کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ اب اس کے ساتھ نہیں ہیں۔ تاہم، نانی نرمی سے بتاتی ہیں کہ تم تو دنیا سے چلے جانے والوں کے بین کرنا بھی بھول گئے ہو۔ اقتباس دیکھیے۔

''میں حیران کھڑا تھا۔ آخر میں نے پوچھا:

''اماں زندہ ہیں؟''

اندھی نانی مجھ سے بھی زیادہ حیران ہو کر بولیں:

''اے بھیا، اتنے دن میں بین کرنا بھی بھول گئے ہو؟''(۹)

نابینا دادی کیے بین کرنے کا منظر کہانی کی فضا کو المناکی میں بدل دیتا ہے، اور والدین کی راوی کو تلاش کرنے کی کوششیں ابہام کا شکار رہتی ہیں۔ تاہم، یہ واضح ہے کہ روی کی غیر موجودگی میں، اس کی ماں موسموں کے بدلتے ہی اس کے لیے کپڑے بناتی رہی ہے، جو اس کی اپنے بیٹے کے لیے جاری توقعات اور تشویش کی عکاسی کرتی ہے۔ خواہش کا احساس واضح ہے۔

نیئر مسعود کی کہانی "جرگہ" میں بھی راوی کے کردار کے المیے کو نمایاں کیا گیا ہے۔ کہانی ایک مراسلے سے شروع ہوتی ہے، جہاں راوی اپنے مرحوم دادا کے ایک پرانے دوست کو لکھتا ہے۔ اس روداد میں وہ اپنے اوپر جبر اور مجبوریوں کی داستان رقم کرتا ہے۔ اس کی ذہنی حالت مستحکم دکھائی دیتی ہے، اگرچہ راوی کو ذہنی طور پر بیمار دکھایا گیا ہے، لیکن ابتدائی تصویر کشی اس بارے میں سوالات اٹھاتی ہے کہ کس طرح کوئی پاگل کسی کی دلجوئی یا بھلائی کر سکتا ہے۔ راوی کا یہ جملہ ''میرا مائنڈ ٹھیک ہوتا تو میں کوشش کرتا آپ کی حویلی آپ کو مل جائے''۱۰ راوی کی دماغی کیفیت پر ایک اور اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

''میرے مائنڈ میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ صرف کچھ سوچتا رہتا ہوں اور جب بولنے لگتا ہوں تو جب کبھی میرا سر گرم ہو جاتا ہے تو میں رک نہیں پاتا۔ چاہتا ہوں کہ نہ بولوں مگر بولتا رہتا ہوں''۔ (۱۱)

اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ راوی معاشرتی ناانصافیوں کے سامنے خاموش رہنے سے انکار کرتا ہے اور کھل کر تنقید کرتا ہے جسے معاشرہ ناقابل قبول سمجھتا ہے۔ مسلسل ظلم و ستم سہنے کے باوجود، راوی بات نہ کرنے کا انتخاب کرتا ہے، جس کی وجہ سے لوگ اس کی واضح طبیعت کی وجہ سے اسے پاگل قرار دیتے ہیں۔ اپنی کہانی "جرگہ" میں نیئر مسعود نے مرکزی کردار کو ایک ایسے شخص کے طور پر پیش کیا ہے جو روزمرہ کے ہندوستانی گھرانوں میں ہونے والے عام واقعات، جیسے استحصال، ناانصافی اور محرومی کو اجاگر کرتا ہے۔

نیئر مسعود کا افسانہ ''تحویل'' میں بھی ایک خاندان جو نو روز کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بیماری ان کو وراثت میں ملی تھی کہ کچھ دیر بعد اس خاندان کا ہر مرد پاگل ہو جاتا تھا یا اس کا دماغی نفسیاتی شکار ہو جاتا ہے۔ اور اس کی حالت یا کسی بھی صورت میں عام طور پر یہ بتائی جاتی تھی کہ انہیں بد دعا دی گئی تھی۔ ہر نوروز کے پاگل ہونے کا بیان افسانے میں کچھ یوں ہے۔

''ان لوگوں میں کوئی موروثی بات ایسی تھی کہ آخر آخر میں ہر نوروز کا دماغ خراب ہو جاتا تھا۔ ایک نوروز کا دماغ خراب ہو جانے کے بعد دوسرا نوروز دکان سنبھال لیتا اور اگر وہ بھی پاگل ہو جاتا اور اس کی جگہ نیا نوروز آ جاتا اور اس وقت تک دکان پر بیٹھتا جب تک پاگل نہ ہو جاتا''۔(۱۲)

حکایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر نوروز بالآخر دیوانہ ہو جاتا، جس کے نتیجے میں ایک اور نوروز نے دکان پر اپنی جگہ سنبھال لی۔ تاہم، کہانی ان کے پاگل پن کی کوئی واضح وجہ فراہم نہیں کرتی ہے، جو قاری کو آخر تک متجسس رکھتی ہے۔ معصوم نوجوان لڑکیوں کو دیکھ بھال کے بغیر چھوڑ دیا جاتا ہے، اور حیرت انگیز طور پر، کمیونٹی میں کوئی بھی ان کی دیکھ بھال کے لیے آگے نہیں بڑھتا۔ بالآخر ایک پڑوسی لڑکیوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سنبھال لیتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ لڑکیاں اس انتظام کی عادی ہو جاتی ہیں۔ لیجنڈ نوروز کی لڑکیوں سے گہری محبت کی طرف اشارہ کرتا ہے، یہ بتاتا ہے کہ وہ ان سے الگ نہیں رہ سکتا۔ لڑکیوں کے پاس اس کی واپسی اور کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کی اس کی کوشش اس کی محبت اور خواہش کو ظاہر کرتی ہے، حالانکہ وہ صورتحال کو سنبھالنے کے لیے جدوجہد کرتا ہے کیونکہ لڑکی اسے نہیں پہچانتی ہے۔ ہمدردی کا احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ایک شخص نوروز کی تکلیف کو دیکھ کر تبصرہ کرتا ہے، "ایک بچے کو کھونا موت سے بھی بدتر ہے، نوروز۔" اس کے بعد نوروز اور اس شخص کے درمیان ایک مکالمہ ہوتا ہے جب نوروز لڑکی کو واپس لے آتا ہے۔

''تم اسے چھوڑنے پر راضی نہیں ہو''
اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا:
''یہ میرے پاس رہنے پر راضی نہیں ہے
اور میری گرفت میں ایک چھوٹا سا بدن آ گیا''(۱۳)

نوروز کی لڑکی سے خود کو دور کرنے کی خواہش، اس کے اس بیان کے بعد کہ وہ اس کے ساتھ رہنے سے ناخوش ہے، اس کی ذہنی صحت کے بارے میں تشویش کا باعث بنتی ہے۔ یہ واضح نہیں ہے کہ نوروز کو دیوانہ کیوں کہا جاتا ہے۔ اگر وہ ذہنی طور پر غیر مستحکم نہیں ہے تو وہ اپنے گھر، دکان اور خاص طور پر اپنی معصوم بیٹیوں کو چھوڑ کر غائب کیوں ہو جاتا ہے؟ یہ موضوع افسانے میں بھی جھلکتا ہے۔ نوروز کے دیوانے ہونے کے تاثر کو اس کی دکان پر جانے سے روکنے کے فیصلے سے تقویت ملتی ہے

نیئر مسعود کے اپنے افسانوں میں معذور کرداروں کی تصویر کشی ان کی فنکارانہ صلاحیتوں اور سماجی بیداری کو اجاگر کرتی ہے۔ ان کی کہانیاں ان کرداروں کو درپیش جدوجہد اور مشکلات کا گہرا مطالعہ کرتی ہیں، جس سے قارئین سے ہمدردی کا شدید احساس پیدا ہوتا ہے۔ سماجی نظرانداز اور معذور افراد کے ساتھ بدسلوکی کو واضح طور پر پیش کرتے ہوئے، نئیر مسعود قارئین کو ایسے مسائل کے بارے میں اپنے نقطہ نظر اور رویوں پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کی بے حسی اور معذور افراد کے مسائل کو نظرانداز کرنے کی وجہ سے ان کرداروں کی تکالیف میں اضافہ ہوتا ہے۔ نئیر مسعود کی تحریروں میں ان معذور کرداروں کی کہانیاں نہ

صرف ذاتی دکھوں اور دردوں کا بیان ہیں بلکہ یہ سماجی بے حسی اور ناانصافی کے خلاف احتجاج کی بھی شکل ہیں۔ ان افسانوں کے ذریعے مصنف نے نہایت فنکارانہ انداز میں یہ پیغام دیا ہے کہ معذوری کو محض ایک جسمانی کیفیت کے طور پر دیکھنے کے بجائے اسے سماجی اور انسانی مسئلہ سمجھ کر اس کے حل کے لیے کوششیں کی جانی چاہئیں۔

نئیر مسعود کی تحریریں ہمیں اس بات کی یاد دہانی کراتی ہیں کہ معاشرے میں معذور افراد کو برابر کے حقوق اور مواقع فراہم کرنا سب کی ذمہ داری ہے۔ ان کی کہانیاں معذور کرداروں کی المیاتی زندگیوں کو عیاں کرتی ہیں اور ساتھ ہی معاشرتی بے حسی اور حکومتی بے توجہی کو بھی سوالات کے کٹہرے میں لاتی ہیں۔ ایسے میں، نئیر مسعود کی افسانہ نگاری نہ صرف ادب کے میدان میں ایک قیمتی اضافہ ہے بلکہ معاشرتی اصلاح کے لیے بھی ایک اہم قدم ہے۔

حوالہ جات

۱۔ نیئر مسعود، گنجفہ، افسانہ: گنجفہ، شیر زار کراچی، پاکستان، اشاعت ۲۰۰۸ء، ص ۲۰

۲۔ ایضاً، ص ۲۵

۳۔ ایضاً، ص ۴۰

۴۔ نیئر مسعود، گنجفہ (کلیات)، افسانہ: رے خاندان کے آثار، سنگ میل پبلی کیشن، لاہور، اشاعت ۲۰۱۵ء، ص ۲۲۴

۵۔ نیئر مسعود، گنجفہ (کلیات)، افسانہ: مراسلہ، سنگ میل پبلی کیشن، لاہور، اشاعت ۲۰۱۵ء، ص ۱۲

۶۔ ایضاً، ص ۱۲-۱۳

۷۔ نیئر مسعود، گنجفہ (کلیات)، افسانہ: شیشہ گھاٹ، سنگ میل پبلی کیشن، لاہور، اشاعت ۲۰۱۵ء، ص ۳۰۱

۸۔ نیئر مسعود، گنجفہ، افسانہ: مسکینوں کا احاطہ، شیر زار کراچی، پاکستان، اشاعت ۲۰۰۸ء، ص ۱۹۷

۹۔ ایضاً، ص ۱۹۷

۱۰۔ نیئر مسعود، گنجفہ (کلیات)، افسانہ: جرگہ، سنگ میل پبلی کیشن، لاہور، اشاعت ۲۰۱۵ء، ص

۱۱۔ ایضاً، ص ۵۵

۱۲۔ نیئر مسعود، گنجفہ، افسانہ: تحویل، شیر زار کراچی، پاکستان، اشاعت ۲۰۰۸ء، ص ۲۲۵

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۳۵

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۳۱

References in Roman Script

1. Nayyar Masood, Ganjifa, Sher Zaar Karachi, Pakistan, 2008, p. 20
2. Ibid., p. 25
3. Ibid., p. 40
4. Nayyar Masood, Ganjifa (Kulliyat), Afsana: Ray Khandan ke Aasaar, Sang-e-Meel Publications, Lahore, Edition 2015, p. 224
5. Nayyar Masood, Ganjifa (Kulliyat), Afsana: Murasila, Sang-e-Meel Publications, Lahore, Edition 2015, p. 12
6. Ibid., pp. 12-13
7. Nayyar Masood, Ganjifa (Kulliyat), Afsana: Sheesha Ghaat, Sang-e-Meel Publications, Lahore, Edition 2015, p. 301
8. Nayyar Masood, Ganjifa, Afsana: Maskeenon ka Ihata, Sher Zaar Karachi, Pakistan, Edition 2008, p. 197
9. Ibid., p. 197
10. Nayyar Masood, Ganjifa (Kulliyat), Afsana: Jirga, Sang-e-Meel Publications, Lahore, Edition 2015,p:145
11. Ibid., p. 55
12. Nayyar Masood, Ganjifa, Afsana: Tehveel, Sher Zaar Karachi, Pakistan, Edition 2008, p. 225
13. Ibid., p. 235
14. Ibid., p. 231